مولانا فراہیؒ اور حدیث

(۲)

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شخص غلطیوں سے منزّہ نہیں۔ اس لیے کسی شخص کے فضائل، کارناموں اور خدمات کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کے تسامحات یا فروگزاشتوں کے تذکرہ سے اس کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔

نقلِ احادیث کے طریقے :

مولانا فراہیؒ نے جن طریقوں سے احادیث کی روایت کی ہے ان میں سے کچھ حدیث کے طالب علم کو کھٹکتے ہیں، اس لیے ان کی طرف اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے :

(۱) مولانا کی کتابوں میں بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جو حوالوں کے ساتھ درج ہیں۔ بالعموم اس قسم کی عبارت ملتی ہے : في الحديث ، قال النبي صلى الله عليه وسلم، جاء في الحديث ، روي في الخبر، جاء في صحيح الخبر وغیرہ لیکن یہ بات زیادہ قابل گرفت اس لیے نہیں ہے کیونکہ قدیم مصنفین بھی آیات اور احادیث کے حوالوں کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ اب یہ مولانا کی کتابوں کو ایڈٹ کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ احادیث کی تخریج کر کے حوالوں کے ساتھ درج کریں۔

(۲) کئی مقامات پر اس طرح احادیث درج کی گئی ہیں کہ ان سے پہلے کوئی ایسا لفظ نہیں جو ان کے حدیث ہونے کا پتہ دے۔ صرف واوین کے اشارے موجود ہیں جیسے "حُفَّت الجنة بالمكاره"[102] تسلسل الشياطين في شهر رمضان"[103]، اتقوا النار ولو بشق تمرة"[104] سبقت رحمتي على غضبي"[105] "میرے سامنے عجم کی طرح کھڑے نہ ہو"[106] وغیرہ۔ احتیاط کا تقاضہ تھا کہ علامت کے ساتھ ساتھ ان سے پہلے یا بعد میں ایسے الفاظ بھی لائے جاتے جو ان کے حدیث ہونے پر دلالت کرتے۔

(۳) بعض مقامات پر مولانا نے حدیث کے الفاظ نقل کرنے کے بجائے ان کا مفہوم بیان

کر دیا ہے : و لذلك قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مامعناہ : انہ یخاف علیہم کثرۃ المال "۱۰۷

"اس مضمون کی توضیح صحیحین کی ایک روایت سے ہوتی ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا اور بقیہ تمام مخلوق کو دوسرے پلڑے میں۔ جب آپ تمام مخلوق پر بھاری ثابت ہوئے تب آپ کا انتخاب فرض رسالت کی ذمہ داریوں کے لیے عمل میں آیا " ۱۰۸

ایک جگہ روایت یوں درج کی ہے : " قال علیہ السلام فی أمر أھل الکتاب لاتصدقوھم ولاتکذبوھم "۱۰۹ پھر اگلے ہی صفحے پر اسی روایت کو ترتیب الٹ کر یوں درج کیا ہے : لاتکذبوھم ولاتصدقوھم "۱۱۰ مفہوم بیان کرنے کی وجہ سے ہی ایک حدیث ان الفاظ میں درج کی ہے۔ : سبقت رحمتی علی غضبی "۱۱۱ جبکہ حدیث کے الفاظ میں 'علی' نہیں ہے صرف سبقت رحمتی غضبی ہے " ۱۱۲

ایک جگہ روایت کی ہے : قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وسنتی، وقال : عضوا علیہ بالنواجذ "۱۱۳ اس طرح 'علیہ' میں ضمیر مذکر کی ہونے کے سبب مفہوم ہی بدل کر رہ گیا ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ضمیر کتاب اللہ کی طرف راجع ہے۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ ہیں : "عضوا علیھا بالنواجذ "۱۱۴ اور ضمیر مؤنث غائب سنت کی طرف راجع ہوتی ہے۔

ایک جگہ لکھا ہے : "دجال والی حدیث میں ہے " ان شعرہ حبك حبك "۱۱۵ حالانکہ حدیث کے الفاظ ہیں رأس الدجال من ورائہ حبك حبك "۱۱۶ ایک جگہ مولانا نے لکھا ہے : "صحیح بخاری میں ہے : "ان من الاعمال سبع موبقات "۱۱۷ حالانکہ صحیح بخاری میں مروی حدیث کے الفاظ ہیں، اجتنبوا السبع الموبقات "۱۱۸

یہاں یہ بات ضرور ذہن میں رہنی چاہیئے کہ مولانا کی جو تصنیفات شائع ہوئی ہیں ان میں سے بیشتر کی حیثیت یادداشتوں کی ہے۔ اس لیے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مولانا نے بے توجہی کی وجہ سے حدیثوں کے حوالے نہیں دیے ہیں اور اصل الفاظ تحریر کرنے کے بجائے ان کا مفہوم بیان کر دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کی زندگی وفا کرتی اور انہیں خود اپنی تالیفات مرتب کرنے کا موقع ملتا تو وہ ضرور ان باتوں کی طرف توجہ دیتے اور یہ کمیاں نہ رہ

پاتیں۔

(۴) بعض روایتیں جو فی الواقع صحیح احادیث ہیں انہیں مولانا نے مسلمانوں کا خیال بتلایا ہے۔مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں لکھا ہے: "سلف سے لے کر خلف تک علماء کا اتفاق ہے کہ سبع مثانی سے مراد یہی سورۂ فاتحہ ہے"[۱۱۹] حالانکہ بخاری، ترمذی، نسائی، موطا احمد اور دوسری کتب حدیث میں متعدد ایسی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو سبع مثانی قرار دیا ہے۔

اسی طرح سورہ اخلاص کے بارے میں مولانا نے لکھا ہے کہ: "مسلمانوں کے نزدیک یہ سورہ "ثلث القرآن" ہے"[۱۲۰] حالانکہ بخاری، موطا، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں موجود روایتیں اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بتلاتی ہیں"۔

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مولانا ان کے حدیث ہونے سے انکار کرتے ہیں لیکن بہرحال قولِ رسول کو مسلمانوں کا قول قرار دینے سے اس کی حیثیت کم ہوجاتی ہے۔یوں کہا جاسکتا ہے کہ ان احادیث کی صحت پر علماء کا اتفاق ہے۔

(۵) اس کے برخلاف صحابہ یا تابعین سے مروی بعض روایات کو مولانا حدیث سے تعبیر کردیتے ہیں۔مثال کے طور پر اپنی کتاب "التکمیل فی اصول التأویل" میں "التفسیر بالاحادیث" کے نام سے مولانا نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو منقول کو۔خواہ وہ ضعیف ہو۔لائقِ اتباع قرار دیتے ہیں۔اور اسے گمراہ کن قرار دیا ہے۔لیکن اس کی جو مثال دی ہے اس میں حدیثِ رسول نہیں بلکہ تین اقوال ہیں جن میں سے ایک ابن عباس کی طرف منسوب ہے دوسرا قتادہ اور سدی کی طرف اور تیسرا ابن زید کی طرف"۔[۱۲۱]

آگے فرماتے ہیں: "قرآن کی تفسیر ایسی حدیث سے کرنے میں جو مناسبِ حال ہو اور اس سے کسی عقیدہ اور مسلک کا اثبات نہ ہوتا ہو کوئی حرج نہیں۔لیکن اس کے باوجود ظنی ہے"[۱۲۲] لیکن اس کی جو مثال پیش کی ہے وہ حدیث نہیں بلکہ تفسیر طبری کے مطابق حضرت عکرمہ کا قول ہے۔[۱۲۳]

یہ صحیح ہے کہ محدثین نے حدیث کی جو تعریف کی ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں۔لیکن عموماً جب لفظ حدیث بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ارشادِ نبوی ہوتا ہے۔صحابہ اور تابعین کے اقوال کے لیے "آثار" کی اصطلاح

استعمال کی جاتی ہے۔

ضعیف روایات کا بیان :

مولانا نے ایک طرف تو قبول روایت کے لیے سخت ترین اصول اختیار کیے ہیں لیکن دوسری طرف ایسی ضعیف روایتیں قبول کر لیتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ پہلی نظر میں ناقابل قبول معلوم ہوتی ہیں بلکہ نظم قرآن کے بھی خلاف ہیں۔ قبول روایت کے اصولی مباحث کے تحت فرماتے ہیں :

"قرآن کی تفسیر ایسی حدیث کے ذریعہ کرنے میں جو مناسب حال ہو اور اس سے کسی عقیدہ اور مسلک کا اثبات نہ ہوتا ہو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ظنی ہے۔ میں اسے اختیار کر لیتا ہوں لیکن اس کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی امکان رہتا ہے جیسے سورۂ حجر کی آیت ہے۔ المُقْتَسِمِيْنَ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرآنَ عِضِيْنَ (الحجر : ۸۹–۹۰)۔ اس کی تفسیر میں ایک روایت ہے کہ کافروں نے ایک دوسرے سے قرآن کا استہزاء کرتے ہوئے کہا کہ میں البقرہ لوں گا اور تمہیں المائدہ یا العنکبوت دوں گا" اس کی تفسیر میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن غیر یقینی ہے"۔[۱۲۴]

اس آیت میں 'المقتسمین' سے مراد کون ہیں؟ اور 'الذین جعلوا القرآن عضین' سے مراد کیا ہے۔؟ اس سلسلہ میں طبری نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مقتسمین سے مراد اہل کتاب ہیں اور انہیں اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کیونکہ انہیں سے کچھ لوگوں نے آپس میں قرآن کا استہزاء کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں سورۂ البقرہ لوں گا اور کچھ دوسروں نے کہا تھا کہ میں سورۂ آل عمران لوں گا۔ یہ قول عکرمہ کی طرف منسوب ہے لیکن بیشتر اقوال ایسے نقل کیے ہیں جن میں 'المقتسمین' سے مراد اہل کتاب ہیں اور الَّذِیْنَ جَعَلُوا القُرْآنَ عِضِیْنَ سے مراد ہے کہ انہوں نے قرآن یا اپنی کتاب توراۃ و انجیل) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، کچھ حصوں پر ایمان لائے اور کچھ کا انکار کر دیا یہ اقوال ابن عباس، مجاہد اور دوسرے لوگوں سے مروی ہیں۔ لیکن طبری نے بعد میں ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ 'المقتسمین' سے مراد مشرکین بھی ہو سکتے ہیں اور 'الذین جعلوا القرآن عضین' کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض نے قرآن کو شعر قرار دیا، بعض نے سحر اور بعض نے کہانت وغیرہ۔[۱۲۵]

مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اس آیت کی تفسیر ابن عباس کی تفسیر جیسی ہی کی ہے فرماتے ہیں: "اس آیت کا تعلق اوپر کی آیت [۸۷] سے ہے۔ یعنی پوری بات یوں ہے کہ ہم نے تمہیں سبع مثانی اور قرآن عظیم اسی طرح عطا کیا ہے جس طرح ان لوگوں پر اپنا کلام اتارا تھا جنہوں نے اس کے حصے بخرے کر کے اپنے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیے۔ یہ اشارہ یہود کی طرف ہے جنہوں نے حق کو چھپانے کے لیے اپنے قرآن یعنی توریت کی ترتیب بھی بدل ڈالی بعد میں ان اقوال

اور اس کو مختلف اجزاء میں تقسیم کرکے اس کے بعض کو چھپاتے اور بعض کو ظاہر کرتے تھے۔ سورۂ انعام آیت ۹۲ میں ان کی اس شرارت کا ذکر گذر چکا ہے۔ دوسرے آسمانی صحیفوں کے لیے لفظ قرآن کے استعمال کی نظیر خود قرآن میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ رعد کی آیت ۳۱ ؎۱۳۶"

صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر حضرت ابن عباس سے یہ مروی ہے: "ھُمْ أهل الكتاب جزءوه أجزاءً فآمنوا ببعضه وكفروا ببعضه ؎۱۳۷" (اس سے مراد اہل کتاب ہیں۔ انہوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے کچھ پر ایمان لائے اور کچھ کا انکار کردیا)

اور مولانا فراہی نے فرمایا ہے: "صرف وہ روایتیں قابل قبول ہونی چاہئیں جو قرآن کی تصدیق و تائید کریں۔ مثلاً جو آثار حضرت ابن عباس سے منقول ہیں وہ بالعموم نظم قرآن سے بہت اقرب ہیں ؎۱۳۸" لیکن پھر معلوم نہیں کیوں مولانا نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس کے قول کو قبول کرنے کے بجائے ایسی روایت قبول کرلی جو نظم قرآن کی رو سے بھی بعید معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مولانا نے اپنی کتاب 'عیون العقائد' میں ایک بحث یہ کی ہے کہ نبی کا کام یہ نہیں کہ وہ دنیاوی علوم مثلاً ہندسہ و طب، فنونِ حرب اور مصالح زراعت و تجارت میں مہارت رکھے بلکہ ان میں وہ اپنے اصحاب سے مشورہ کرتا ہے۔ پھر احادیث سے اس کی چند مثالیں پیش کی ہیں۔ چنانچہ اس ذیل میں ابنِ اسحاق سے ایک روایت یہ کی ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب آپ نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت حباب بن منذر نے دریافت کیا کہ یہاں آپ وحی الٰہی سے ٹھہرے ہیں یا جنگی تدبیر و مصلحت کے پیش نظر؟ آپ نے فرمایا: "جنگی تدبیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے" تب حضرت حباب نے اس سے زیادہ موزوں ایک دوسری جگہ بتلائی اور آپؐ نے ان کی تصویب کرتے ہوئے اس جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا" ؎۱۳۹

یہ وہی ابن اسحاق ہیں جن کی واقعۂ اصحابِ الفیل کے سلسلہ میں روایت کی تضعیف کرتے ہوئے مولانا تفسیر سورۂ فیل میں لکھا ہے:

جو حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں سب یکقلم بے بنیاد ہیں۔ از روئے سند ان میں سے ایک روایت بھی قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ یہ تمام روایات ابن اسحاق پر ختم ہوتی ہیں اور اہل فن کے نزدیک یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ یہود اور غیر ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں۔ ؎۱۴۰

میں ہرگز یہ نہیں کہتا کہ یہ روایت ضعیف ہے اور مولانا کو اسے نہیں روایت کرنا چاہیے صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک طرف ابن اسحاق کو ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دینا اور دوسری طرف ان سے روایت نقل کرنا چہ معنی دارد ؟

آیت "ویعلمہم الکتاب والحکمۃ" میں حکمت کا مفہوم۔

مولانا فراہی نے اپنی کتاب 'مفردات القرآن' میں لفظ 'حکمۃ' پر تفصیلی بحث کی ہے[۱۳۱] چنانچہ عربی زبان میں اس کے استعمالات پیش کرتے ہوئے اور اشعارِ عرب اور قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے حکمت کے مختلف معنی بتلائے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حکمت وحی اور قرآن کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ پھر جن آیتوں میں کتاب اور حکمۃ کے الفاظ ایک ساتھ آئے ہیں (البقرہ۔ ۱۲۹۔ آل عمران۔ ۱۶۴، الجمعہ۔ ۲، وغیرہ)۔ ان کی تاویل اس طرح کی ہے کہ قرآن ہی کو احکام کے اعتبار سے کتاب اور حکمت شریعت کے اعتبار سے حکمۃ کہا گیا ہے۔ پھر قرآنی آیات کے ذریعہ اپنی بات مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا استعمال ایسی چیز کے لیے کیا جو ان سب میں کامل ترین ہے۔ چنانچہ اس نے وحی کو حکمۃ سے موسوم کیا۔ جس طرح کہ اسے نور، برہان، ذکر اور رحمت کے نام سے موسوم کیا تھا۔ اسی پہلو سے اس نے قرآن کو حکیم (یعنی حکمت والا) قرار دیا جس طرح کہ اس نے اپنا نام حکیم اور علیم رکھا۔۔۔

"جہاں قرآن کتاب اور حکمت ایک ساتھ کہا گیا ہے وہاں اس کے دو پہلو ہیں۔ کتاب اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ اس میں احکام مکتوبہ موجود ہیں اور حکمۃ اس اعتبار سے کہ اس میں عقائدِ صحیحہ، اخلاقِ فاضلہ اور حکمتِ شریعت پائی جاتی ہے۔ ہمیں یہ فرق دونوں الفاظ کا تتبع کرنے اور ان کے استعمالات میں فرق ہونے سے معلوم ہوا ہے۔ اس مقام پر بعض اہل علم سے تسامح ہوا ہے جن میں امام شافعی بھی شامل ہیں اور ان کے بعد کے اکثر محدثین نے بھی ان کی اتباع کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حکمۃ سے مراد حدیث ہے اس لیے کہ کتاب سے مراد قرآن ہے۔ اس کے ساتھ حکمۃ ہونے کا مطلب ہے کہ حکمت سے مراد کچھ اور ہے۔ ان کی اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے لفظ کتاب (جو حکمۃ کے ساتھ آیا ہے) کا مطلب سمجھنے میں غلطی کی۔ ہم نے جو مطلب بتلایا ہے اس کی دلیل درج ذیل آیات ہیں۔

" وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء-۱۱۳)
" وَاذْكُرْنَ مَايُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (الاحزاب-۳۴)

ان آیات میں قرآن نے 'یتلی' (تلاوت کی جاتی ہیں) اور 'أنزل' (نازل کیا) کے الفاظ حدیث کے لیے نہیں استعمال کیے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حدیث میں بھی بسا اوقات حکمت پائی جاتی ہے اور بلاشبہ وہ قرآن کی حکمتوں کی وضاحت کرتی ہے (شاید جن لوگوں کے ساتھ امام شافعی ہیں ان کی مراد یہی ہے) لیکن حدیث میں جہاں حکمت ہوتی ہے وہی اس میں احکام بھی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا لفظ حکمت اس کے لیے خاص کرنا صحیح نہیں۔ اس سے زیادہ واضح یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے دین کے اصول بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے:۔ " ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ " (الاسراء-۳۹)

اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وصف میں فرمایا:

" وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيلَ" (المائدہ-۱۱۰)

توریت کو کتاب کہا گیا ہے اس لیے کہ اس کا بیشتر حصہ احکام پر مشتمل ہے اور انجیل کو حکمت قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں دلائل و مواعظ کی کثرت ہے جیسا کہ اس ارشاد باری سے بھی معلوم ہوتا ہے

" وَآتَيْنَاهُ الْاِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَ هُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ" (المائدہ-۴۶)

انجیل میں چونکہ ہدایت، نور، موعظت، توریت کی تصدیق اور کچھ احکام تھے اس لیے مقدم الذکر چیزوں کے غلبہ کی وجہ سے حکمت کا نام دیا گیا۔ اس تاویل کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔

" وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ " (الزخرف-۶۳)

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ حکمت کی تاویل احادیث سے کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد بھی قرآن ہے۔ اور جب کتاب اور حکمت ایک ساتھ آئیں تو کتاب سے مراد احکام ہوتے ہیں اس فرق کو ذہن میں رکھنا چاہیے "[۱۳۲]

انہیں دلائل کے ساتھ اور اسی انداز سے مشہور منکر حدیث مولانا حافظ اسلم جیراجپوری نے بھی حکمت کے حدیث کے معنی میں ہونے کی تردید کی ہے۔ امام شافعی کا قول کہ حکمت سے

مراد سنت ہے) اور ان کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

" حکمت کا مفہوم جو انہوں نے حدیث کو قرار دیا کسی طرح صحیح نہیں۔ حکمت ایک عام لفظ ہے جس کے معنی ہیں۔ دانائی کی باتیں۔ خود قرآن کی صفت حکیم ہے۔ یعنی اس میں حکمت کی باتیں ہیں۔ جیسا کہ جا بجا آیات میں تصریح ہے :

" وَ أَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ " (النساء – ۱۱۳)

سورۂ بنی اسرائیل میں تورات کے احکام عشرہ کے مقابل تیرہ احکام نازل کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا :

" ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحٰى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ " (الأسراء – ۳۹)

ازواجِ رسول کو قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ :

" وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ " (الأحزاب-۳۴)

جس سے معلوم ہوا کہ حکمت قرآن میں شامل ہے ورنہ حدیثوں کی کون تلاوت کرتا ہے؟ مگر امام صاحب نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ حالانکہ خود ان کا قول ہے کہ حدیثیں منزل من اللہ نہیں ہیں بلکہ استنباطاتِ نبویہ ہیں یعنی قرآنی آیات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سمجھا اور فرمایا۔ پھر جس حکمت کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہے تو وہ حدیث کیسے ہو سکتی ہیں؟ قرآن میں ہے کہ "ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔ کیا لقمان کو خاتم النبیین کی حدیثیں دی گئی تھیں؟ " [۳۲]

لیکن یہ شبہات اور دلائل بالکل بے بنیاد ہیں جن علماء نے حکمت سے مراد سنت بتلایا ہے انہوں نے قرآن یا اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں حکمت ہونے سے انکار نہیں کیا ہے۔ قرآن پر بھی حکمت کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ آیت " ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحٰى إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ " (الاسراء – ۳۹) سے معلوم ہوتا ہے۔ لقمان کو بھی حکمت عطا کی گئی تھی۔ عام دانائی کی باتوں کے لیے بھی حکمت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ احادیث میں بھی مختلف چیزوں کے لیے حکمت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کلام عرب اور عربی زبان کے استعمالات سے بھی حکمت کا مختلف معانی کے لیے استعمال ہونا معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے صرف یہ کہا ہے کہ آیت " وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ " میں حکمت سے مراد سنت ہے۔

مولانا فراہی کا اصرار ہے کہ مذکورہ آیت میں بھی حکمت سے مراد معانیٔ قرآن ہیں۔ لیکن انہوں نے دلیل میں جو آیتیں پیش کی ہیں ان سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ یہ صحیح ہے

کہ "کتاب و حکمة" کے لیے بعض آیات میں 'انزل' اور 'یتلی' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور حدیث کے لیے یہ الفاظ مستعمل نہیں ہو سکتے۔ لیکن انہوں نے حکمۃ کا جو مفہوم بتلایا ہے اس کے لیے بھی اس معنی میں 'انزل'، اور 'یتلی' کے الفاظ نہیں آسکتے جس معنی میں قرآن کے لیے آتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ 'انزل' اور 'یتلی' کا تعلق اصلاً کتاب سے ہے۔ حکمت اس کے ذیل میں آتی ہے۔ علماء نے آیتِ مذکورہ میں حکمۃ کی تشریح سنت سے اس لیے کی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی امت کو جن علوم سے نوازا ہے ان میں صرف علم کتاب ہی نہیں ہے بلکہ علم سنت بھی ہے۔ آپ کا کام "تبیین کتاب" کے ساتھ ساتھ دوسرے احکام سے بھی واقف کرانا تھا۔ مختلف احادیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے

شاہ ولی اللہ جو اسرار شریعت کے بہت بڑے رمز شناس ہیں۔ اپنی شہرہ آفاق کتاب "حجة الله البالغة" میں فرماتے ہیں :

> "رسول اللہ صلی اللہ نے دنیا کو جو علوم رسالت دیئے ان کا ایک حصہ براہ راست وحی سے تعلق رکھتا ہے اور ایک حصہ آپ کے اجتہادات سے۔ آپ کا یہ اجتہاد صرف نصوص سے نہیں ہوتا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت کے جو مقاصد اور اس کی جو حکمتیں بتائی تھیں ان کی روشنی میں بھی آپ نے اجتہاد فرمایا اور احکام دیے۔ دوسروں کے اجتہاد سے آپ کا اجتہاد اس پہلو سے مختلف ہے کہ آپ کا اجتہاد ہر ایک کے لیے واجب العمل ہے۔ اس لیے کہ آپ سے کوئی اجتہادی غلطی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح فرما دیتا تھا۔"[۳۴]

کچھ احادیث سے غلط استدلال :

مولانا نے اپنی تحریروں میں بعض احادیث کی ایسی تشریح کی ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ذیل میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے :

(۱) مولانا نے مقدمہ نظام القرآن میں علامہ سیوطی کا یہ اقتباس نقل کیا ہے :

> "اگر قرآن سے تفسیر نہ ہو سکے تو سنتِ رسول کی طرف رجوع کرے کیونکہ سنت قرآن کی شارح اور مفسر ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے سب قرآن سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"انّا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللّٰہ" (النساء۔ ۱۰۵)
اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی آیتیں ہیں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ألا إنی أوتیت القرآن ومثله معه" (مجھے قرآن دیا گیا اور اسی کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ (یعنی سنّت" ۱۳۵

اس پر مولانا نے یہ حاشیہ لگایا ہے:

"مثله معه کی یہ تفسیر امام شافعی نے فرمائی ہے مگر ہمارے نزدیک اس سے مراد فہم وبصیرت اور وہ روشنی ہے جس سے قلب نبوت وحی کے بعد جگمگا اٹھا تھا جیسا کہ آیت میں اشارہ ہے: "وَاَوحینا الیک رُوحاً مِن اَمرِنا..... الآیة" (الشوریٰ۔ ۵۲) ۱۳۶

ایک دوسری جگہ یہی حدیث "الا انی أوتیت القرآن ومثله معه بل اکثر" نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس سے مراد فہم قرآن ہے جو ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ اور اسی میں سے فہم نظم بھی ہے اس لیے کہ اس کے بعد معانی کی کثرت ہو جاتی ہے" ۱۳۷

مختلف احادیث کی روشنی میں مولانا فراہی کی یہ رائے درست نہیں معلوم ہوتی۔ خود یہ حدیث جس طویل حدیث کا ٹکڑا ہے اس میں اس کی صراحت مل جاتی ہے کہ اس سے مراد سنت ہے:

حضرت مقدام بن معدیکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
"الا انی اوتیت الکتاب ومثله معه، الا لایوشك رجل شبعان علی اریکته، یقول علیکم بهذا القرآن، فما وجدتم فیه من حلال فاحلّوه، وما وجدتم فیه من حرام فحرّموه، وانّ ما حرّم رسول الله کما حرّم الله، الا لایحلّ لکم الحمار الأهلی ولاکل ذی ناب من السباع .... الی اٰخر الحدیث" ۱۳۸

(سن لو مجھے قرآن دیا گیا اور اسی کے مثل ایک چیز اور اس کے ساتھ۔ کوئی شخص اپنی مسند پر آسودگی سے بیٹھکر یہ نہ کہنے لگے کہ صرف قرآن کو مضبوطی سے پکڑو۔ اس میں جو چیزیں حلال پاؤ صرف انہیں کو حلال سمجھو اور اس میں جو چیزیں حرام پاؤ صرف انہیں کو حرام سمجھو۔ بلکہ اللہ کے رسول نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ اسی طرح حرام ہیں جس طرح اللہ کی حرام کردہ چیزیں حرام ہیں۔ سن لو تمہارے لیے پالتو گدھے، درندے...... حلال نہیں ہیں)

اسی مفہوم کی ایک دوسری حدیث حضرت عرباض بن ساریہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"أیحسب أحدکم متکئا علی أریکته یظن أنّ الله تعالیٰ لم یحرم شیئا الا ما فی ھذا القرآن - ألا وانّی قد امرت ووعظت ونھیت عن أشیاء انھا مثل القرآن أواکثر وان الله لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب إلّا باذن ولاضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم"[139]

(کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند سے ٹیک لگا کر یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ نے صرف وہی چیزیں حرام کی ہیں جو اس قرآن میں ہیں۔ خبردار۔ میں نے بھی کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے۔ کچھ چیزوں کی نصیحت کی ہے اور کچھ چیزوں سے منع کیا ہے۔ وہ قرآن کے مثل ہیں یا اس سے زیادہ۔ اللہ نے تمہارے لیے ہرگز جائز نہیں رکھا ہے کہ تم بغیر اجازت اہل کتاب کے گھروں میں داخل ہو یا ان کی عورتوں کو مارو یا ان کے پھل کھاؤ۔ جب وہ چیز ان پر واجب ہوتی ہے (یعنی جزیہ) اس کی ادائیگی کر دیں۔)

یہ احادیث اس باب میں صریح ہیں کہ 'مثله معه' سے مراد سنت ہے۔ اس مضمون کی دوسری متعدد احادیث ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اور سنت جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے" خود مولانا فراہی نے ایک حدیث نقل کی ہے: قال النبی صلی الله علیه وسلّم: انّی تارك فیکم الثقلین کتاب الله وسنتی"[140]

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث میں 'مثله معه' سے مراد سنت ہے۔

(۲) مولانا نے 'نظم قرآن' پر بعض لوگوں کے شبہات کی تردید میں لکھا ہے:

"بعض علماء کا خیال ہے کہ منظم کلام جس میں ایک خاص عمود پایا جاتا ہے اہل عرب کی عادت کے برخلاف تھا۔ تم ان کے اشعار میں واضح بے ربطی پاؤ گے۔ اگر قرآن ان کے اس اسلوب کے برخلاف آتا تو ان پر گراں ہوتا۔ یہ بے بنیاد خیال ہے۔ اس لیے کہ اہل عرب کے نزدیک شعر گوئی کی کوئی حیثیت نہیں تھی وہ اسے اہم اور عظیم امور میں سے نہیں شمار کرتے تھے بلکہ وہ حکماء کی تعظیم کرتے اور پر حکمت خطبوں کو پسند کرتے تھے۔ اسی لیے شرفا، شعر گوئی اور شعر سے واقفیت کو پسند نہیں کرتے تھے اور اشعار کا استعمال خال خال ہی حکمت

اور ضرب المثل کے طور پر کرتے تھے، شعر کے لیے محض وزن و قافیہ کافی نہیں ہے بلکہ وہ ہزل و طرب کے موضوعات کے ساتھ خاص ہے۔ بہر حال اس کا شمار لہو الحدیث میں ہوتا ہے۔ جو شخص اس کے مخصوص موضوعات کے علاوہ دوسرے موضوعات میں اشعار نظم کرے گا اسے شاعر نہیں بلکہ ناظم کہیں گے۔ حقیقت شعر کے اسی معروف پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انّ من الشعر لحکمة وانّ من البیان لسحرا" یعنی بہت کم ہی اشعار میں حکمت ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے اپنے نبی کو شعر گوئی سے محفوظ رکھا۔ ارشاد ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ، إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ» (ص - ٦٩) [۱۴۱]

مندرجہ بالا اقتباس میں مولانا نے جن لوگوں کی تردید کی ہے ان کا خیال یقیناً غلط ہے لیکن نظم قرآن کے استدلال میں مولانا نے زمانۂ جاہلیت میں خطبات کی حیثیت بڑھانے اور اشعار کی حیثیت کم کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ واضح طور پر حد اعتدال سے متجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی سے محفوظ رکھا اس کی متعدد حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تاکہ معترضین یہ نہ کہہ سکیں کہ محمدؐ تو شاعر ہیں انہوں نے اپنی موزونیٔ طبع سے قرآن جیسا اعلیٰ کلام پیش کر دیا ہے۔ جب اللہ نے آپ کو شعر گوئی سے محفوظ رکھا تب تو معترضین آپ کو شاعر کہتے تھے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر آپ شاعر ہوتے تو معترضین کتنے زور و شور سے اس اعتراض کو عام کرتے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے نزدیک شعر گوئی کی کوئی اہمیت نہ تھی اور وہ اسے پسند نہیں کرتے تھے حالانکہ تاریخ جاہلیت شاہد ہے کہ عرب کے سالانہ میلوں میں مشاعرے کی محفلیں منعقد ہوتیں، دور دور سے شعراء آتے، اپنے اپنے قبیلوں کے محاسن و مفاخر بیان کرتے اور زبردست مقابلہ ہوتا۔ معلقات کی ایک وجہ تسمیہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ انہیں کعبہ کے دروازے پر لٹکایا جاتا تھا اور قصائد کو باب کعبہ پر لٹکایا جانا عزت اور فخر کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اہل عرب میں شعر گوئی کا ذوق عام تھا۔ مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہ تھی خود خاندان عبد المطلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مردوں اور عورتوں میں

شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے شعر نہ کہے ہوں ۔ آنحضرتؐ کی مجلسوں میں صحابہ شعر سناتے آپؐ خاموش رہتے یا بسا اوقات ان کے ساتھ تبسم فرماتے ۔ بسا اوقات آپ کسی صحابی سے کسی مشہور شاعر کے اشعار سناتے کی فرمائش کرتے ۔ مثلاً حضرت عمرو بن الشرید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے امیہ بن ابی الصلت کے اشعار سنانے کی فرمائش کی ۔ میں سناتا رہا آپ بار بار مزید سننے کی فرمائش کرتے رہے ۔ یہاں تک کہ میں نے سو اشعار سنا ڈالے[۱۴۲] ۔ حضرت کعب بن مالک نے جب اپنا قصیدہ بانت سعاد سنایا (جس کا آغاز اور ابتدائی اشعار جاہلی طرز پر تھے) تو آپ نے خوش ہو کر نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ردائے مبارک بھی عطا کر دی ۔[۱۴۳]

مولانا نے لکھا ہے کہ جو شخص شعر کے مخصوص موضوعات (ہزل وطرب) کے علاوہ دوسرے موضوعات پر اشعار کہے گا اس پر شاعر کا اطلاق نہیں ہوگا ۔ اور مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے اس ارشاد کا منشا یہ تھا کہ تمام اشعار ہزل وطرب اور فحش وفجور کے موضوعات پر مشتمل نہیں ہوتے بلکہ کچھ میں حکمت کی باتیں بھی ہوتی ہیں گویا اشعار اچھے بھی ہوتے ہیں برے بھی ۔ اور شعر کا اطلاق دونوں قسم کے منظوم کلاموں پر ہوتا ہے ۔ حاصل یہ کہ یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اہل عرب اشعار کے ساتھ ساتھ خطبات اور منظم کلام سے بھی دلچسپی رکھتے تھے مگر محض نظم قرآن کی دلیل حاصل کرنے کے لیے اہل عرب کی شعر گوئی اور ان کے ذوق شعر کی حیثیت کم کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔

(۳) مولانا 'مفردات القرآن' کے مقدمے میں لکھتے ہیں :

> "اس سلسلہ میں سب سے نفع بخش چیز صحابہ اور تابعین کی تفسیر ہے اس لیے کہ بسا اوقات وہ کسی لفظ کی تشریح اس خاص جگہ کے مطابق اس کے مترادف کلمہ سے کرتے ہیں اور متاخرین نے یہ سمجھ لیا کہ دونوں الفاظ تمام پہلوؤں سے ایک جیسے ہیں اس لیے انہوں نے اس کلمہ کے صحیح معنی سمجھنے میں غلطی کی ۔ ایسا کسی جامع لفظ کی تفسیر میں کثرت سے ہوتا ہے"۔[۱۴۴]

اس کے بعد مولانا نے جامع الفاظ کی قرآن سے دو تین مثالیں دی ہیں ۔ پھر لکھا ہے :

> "قرآن جامع الفاظ سے پُر ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " أوتيت

جوامع الکلم" [١٤٥]

یہ حدیث بعض روایات میں "أعطیت جوامع الکلم" [١٤٦] اور بعض میں " بعثت بجوامع الکلم" [١٤٧] کے الفاظ سے بھی آئی ہے۔ مولانا فراہی نے جوامع الکلم سے مراد یہاں قرآن کو لیا ہے۔ یقیناً قرآن کے الفاظ 'جوامع الکلم' کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ اللہ نے مختصر الفاظ میں معانی کے خزانے پوشیدہ کر رکھے ہیں لیکن یہاں حصر نہیں ہونا چاہیے (اور شاید مولانا فراہی نے بھی حصر مراد نہیں لیا ہے) کیونکہ قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث پر بھی جوامع الکلم کا اطلاق ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ " انہ کان یتکلم بجوامع الکلم" [١٤٨] یعنی آپ ایسے جملے استعمال فرماتے تھے جن میں الفاظ کم ہوں لیکن وہ زیادہ معانی پر دلالت کریں" آپ کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ " کان یستحب الجوامع من الدعاء" [١٤٩] کتب احادیث میں ایسی بے شمار احادیث مل جاتی ہیں جن پر 'جوامع الکلم' کا اطلاق ہوتا ہے۔ [١٥٠]

کچھ احادیث کی صحت سے انکار :

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے بعض صحیح احادیث کا انکار کیا ہے اور ان کی صحت کی تردید کی ہے۔ ذیل میں وہ روایتیں بھی درج کی جاتی ہیں :

(١) مولانا نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب " ذبیح کون ہے" میں ذبیح کے بارے میں یہود کی تحریفات سے پردہ اٹھایا ہے اور خود توریت اور قرآن کے مختلف دلائل سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبیح ہونا ثابت کیا ہے۔ بتیسویں فصل "یہود کی تحریفات اور ان کی تردید" میں تحریفات یہود پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

> "تیسرا عظیم الشان فتنہ وہ قصہ ہے جو انہوں نے حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کے اخراج سے متعلق گھڑا کہ چونکہ حضرت سارہ حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ سے نفرت کرتی تھیں ان کی خواہش یہ تھی کہ حضرت اسمٰعیل حضرت اسحاق کے ساتھ حضرت ابراہیم کی وراثت میں شریک نہ ہوں۔ اس لیے حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو فاران کے بیابان کی طرف نکال دیا۔ حالانکہ یہ واقعہ جس صورت میں ان کے صحیفوں میں بیان ہوا ہے اس میں اس قدر کھلا ہوا تضاد موجود ہے کہ ہر صاحب نظر اس کو بالکل قصہ خیال کرنے پر مجبور رہے" [١٥١]

آگے فرماتے ہیں :

"اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں کے حال پر ہے جنہوں نے یہ بے ہودہ افسانہ یہود کی زبانی سن کر اس کو سچ باور کر لیا اور پھر اس کو سعی صفا و مروہ کے اسباب کے سلسلہ میں ایک مصدق و مسلم روایت کی حیثیت سے بیان کر دیا" [۱۵۲]

یہاں مولانا نے جس روایت کو اپنی سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے وہ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ اس میں حضرت ابن عباس نے حضرت ابراہیم کے حضرت اسماعیل کو ان کی والدہ کے ساتھ بے آب وگیاہ وادی میں لے جانے سے لے کر قبیلۂ جرہم کے آباد ہونے تک کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس روایت کے بعض حصے مرفوع ہیں جیسے :

۔ قال ابن عباس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلذلک سعی الناس بینھما۔

۔ قال ابن عباس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرحم اللہ ام اسماعیل لو ترکت زمزم (او قال لولم تغرف من الماء) لکانت زمزم عینا معینا۔

۔ قال ابن عباس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فالفی ذلک ام اسماعیل وھی تحب الأنس [۱۵۳]

پوری روایت کے بیچ بیچ میں ابن عباس جس انداز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ دیتے ہیں اس سے قوی امکان یہ ہے کہ انہوں نے پوری روایت آنحضرتؐ سے سنی ہو۔[۱۵۴] لیکن پوری روایت کے ساتھ ساتھ اس کے مرفوع حصے بھی مولانا فراہی کی سخت تنقید سے نہیں بچ سکے ہیں۔

یقیناً تورات میں جس انداز سے یہ قصہ بیان کیا گیا ہے وہ سراسر بے بنیاد ہے کیونکہ اس سے نہ صرف حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کی تذلیل ہوتی ہے بلکہ حضرت سارہ کی اہانت کا بھی پہلو نکلتا ہے غالباً مولانا نے صحیح بخاری کی مذکورہ روایت کی تردید اسی لیے کر دی کیونکہ اس کے بیشتر اجزاء تورات سے ملتے جلتے ہیں۔ لیکن یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ اس واقعہ کے شروع کے اجزاء جن میں حضرت اسماعیل کے حضرت اسحاق کے ساتھ کھیلنے اور ٹھٹھا مارنے اور حضرت سارہ کے حضرت ابراہیم سے کہہ کر حضرت اسماعیل کو ان کی ماں کے ساتھ نکلوا دینے کا ذکر ہے۔ صرف تورات میں مذکور ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت ان کے ذکر سے خالی ہے۔

بخاری کی روایت میں صرف حضرت ابراہیم کے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو بیابان کی طرف لے جانے کا ذکر ہے اور اس کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے : رَبَّنَا اِنِّی اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیْرِ ذِی زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ" (ابراہیم۔۳۷) صحیح بخاری میں روایت کے جو اجزاء مذکور ہیں ان میں کوئی ایسی "بے ہودگی" نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے پوری روایت کو خود ساختہ اور بے بنیاد قرار دیا جائے جبکہ خاص طور پر سعی صفا و مروہ کا سبب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً ثابت ہو۔ ۱۵۵

(۲) امام سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سورتوں کو اگر مسلسل یکے بعد دیگرے پڑھا ہے تو اس سے یہ استدلال نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی ترتیب بھی اسی طرح ہے۔ پس آل عمران سے قبل سورۂ نساء پڑھنے کی روایت رد نہیں کی جائے گی اس لیے کہ قراءت میں سورتوں کی ترتیب واجب نہیں اور شاید آپ نے بیانِ جواز کے لیے ایسا کیا ہو۔ ۱۵۶

اس پر مولانا نے حاشیہ پر لکھا ہے "روایۃ قراءۃ النساء قبل آل عمران لاتصح" ۱۵۷ ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی ندوی (جنہوں نے مولانا کے یہ قلمی حواشی نوٹ کر کے شائع کیے ہیں) اس پر حاشیہ پر لکھتے ہیں :

"صحیح مسلم (۱:۵۳۶) صلاۃ المسافرین باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلاۃ اللیل میں حضرت حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا : ایک شب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی۔ اسے پڑھکر سورہ نساء شروع کی اسے پڑھکر سورۂ آل عمران پڑھی الخ حضرت حذیفہ سے یہ روایت سورتوں کی اس ترتیب کے ساتھ نسائی (۱: ۱۹۸) صحیح ابن خزیمہ (۱: ۲۷۲، ۳۴۰) اور مسند ابو عوانہ (۲: ۱۶۹) میں بھی ہے۔ لیکن مستدرک (۱: ۳۲۱) اور شرح معانی الآثار (۱: ۳۴۶) میں اسی روایت میں سورتوں کی ترتیب مصحف کے مطابق ہے۔ یعنی سورۂ بقرہ پھر آل عمران پھر نساء " ۱۵۸

مولانا کے ان حواشی کے انتہائی مختصر ہونے کی وجہ سے یہ مذکور نہیں کہ صحیح مسلم کی حدیث کے صحیح نہ ہونے کی وجوہات کیا ہیں ؟ غالباً صرف یہ قیاس ہو کہ چونکہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اس لیے ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کی خلاف ترتیب تلاوت کی ہو۔ ایک طرف مولانا فرماتے ہیں کہ "اگر قرآن و حدیث میں بظاہر تعارض ہو تو حدیث کی تاویل

کی جائے گی۔ اگر تاویل ممکن نہ ہو تو حدیث کے سلسلہ میں توقف کیا جائے گا اور قرآن پر عمل کیا جائے گا ۔[159] لیکن یہاں دو حدیثوں کے درمیان تعارض کی صورت میں مولانا حدیث کی تاویل یا کم از کم توقف کی ضرورت محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کے غیر صحیح ہونے کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ جب کہ اس کی مناسب تاویل کی جا سکتی ہے۔ مثلاً نماز میں ترتیبِ سور ضروری نہ تھی یا یہ کہ ترتیب قرآن اور عرضِ اخیر سے پہلے آپ نے ایسا کیا ہو[160] یہ تو اس صورت میں کہیں گے جب ہم مستدرک اور شرح معانی الآثار کی حدیث کو مسلم وغیرہ کی حدیث پر ترجیح دیں۔ اور اس کے لیے بھی قوی دلائل کی ضرورت ہوگی۔ ورنہ مسلم ہی کی حدیث کو ترجیح حاصل ہوگی۔

(۳) امام سیوطی نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام جو خالص عرب اور اہل زبان تھے جن پر اور جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا وہ بھی ان الفاظ کے باب میں جن کا معنی انہیں معلوم نہ تھا توقف کرتے" مثال میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وغیرہ کے اقوال ذکر کیے ہیں [161]

اس پر مولانا نے حاشیہ میں لکھا ہے: " لایصح أن کلمة من القرآن خفي معناه على علماء الصحابة ولاسيما القرشيون " [162]

اس اصول کے تحت صحابہ کرام سے متعلق بہت سی مرویات بے اصل قرار پا جائیں گی۔ لیکن اس کی زد میں بعض احادیث بھی آجاتی ہیں۔ جبکہ وہ احادیث صحیحین اور دوسری مستند کتب میں موجود ہیں۔ مثلاً :

(۱) جب آیت كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ نازل ہوئی تو حضرت عدی بن حاتم نے سفید اور کالے دھاگے باندھ لیے۔ رات میں انہیں دیکھا تو نظر نہ آئے۔ صبح ہوئی تو اللہ کے رسول سے اس کا مطلب معلوم کیا۔ آپ نے فرمایا: لا بل هو سواد الليل وبياض النهار[163]۔

اس میں صراحت ہے کہ حضرت عدی خیط ابیض اور خیط اسود کا مطلب نہیں سمجھ پائے تھے۔ نبیؐ کی تشریح سے ان کی سمجھ میں آیا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جس کا اظہار مولانا امین اصلاحی صاحب نے کیا ہے:

" قرآن کے یہ الفاظ اس قدر واضح ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کہ صحابہ کے دور میں ان کا مفہوم سمجھنے میں بعض لوگوں کو زحمت کیوں پیش آئی؟ عدی

بن حاتم کی روایت جو تفسیر کی کتابوں میں نقل ہے کہ انہوں نے فجر کو پہچاننے کے لیے دو سیاہ و سفید دھاگے باندھ لیے۔ اگر پوری طرح قابل اعتماد ہے تو اس کو محض ان کی اسی شدتِ احتیاط پر محمول کرنا چاہیے جو نئے نئے اسلام لانے والوں میں بالعموم پائی جاتی ہے۔ اس طرح کی باتوں کو صحابہ کی فہم و بصیرت پر طعن کا بہانہ نہیں بنانا چاہیے"۔ ۱۶۴؎

(۲) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن جس سے بھی حساب لیا گیا وہ ہلاک ہوا (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ " جس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا؟" حضور نے فرمایا: وہ تو صرف اعمال کی پیشی ہے۔ لیکن جس سے پوچھ گچھ کی گئی وہ ہلاک ہوا"۱۶۵؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ "حساب یسیر" کا مطلب نہیں سمجھ سکی تھیں نبیؐ نے سمجھایا تو قرآن و حدیث کا ظاہری تعارض دور ہوا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب آیت: "اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" نازل ہوئی تو صحابہ بہت پریشان ہوئے۔ انہوں نے اللہ کے رسول سے عرض کیا کہ ہم میں سے تو ہر ایک سے کچھ نہ کچھ ظلم کا صدور ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس سے مراد یہ نہیں ہے بلکہ یہاں شرک مراد ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی: "یَا بُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" (لقمان - ۱۳) ۱۶۶؎

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود یہ کہ سورہ لقمان کی آیت نازل ہو چکی تھی۔ اور اس میں اللہ نے شرک کو "ظلم عظیم" فرمایا تھا۔ لیکن صحابہ کرام، اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے تھے آنحضرتؐ نے اس کی تشریح کی تب مطلب واضح ہوا۔

احادیث میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ قرآن کا لفظ یا آیت حضرات صحابہ نہ سمجھ سکے ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کے بعد ان کی سمجھ میں آئی ہو۔ ارشاد باری "لِتُبَیِّنَ لَهُمْ" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہیے کہ چند احادیث پر مولانا فراہی کے تبصرہ کو دیکھے

ہوئے یہ کہنا کہ مولانا حدیث کو نہیں مانتے۔ سراسر غلط ہوگا۔ چند احادیث کی صحت سے انکار کرنا اور چیز ہے۔ اور حدیث کو بحیثیت سنّت اور بحیثیت دین اور ماخذ شریعت نہ ماننا دوسری چیز ہے۔ اوّل الذکر کا دائرہ صرف غلطیوں تک محدود ہے جبکہ مؤخرالذکر آدمی کو حلقۂ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

حدیث کے سلسلہ میں مولانا فراہیؒ نے کچھ اصولی باتیں بھی پیش کی ہیں مثلاً:

۱۔ احادیث تمامتر قرآن سے مستنبط ہیں۔ ان سے قرآن پر کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

۲۔ اصل و اساس کی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے۔ احادیث کی حیثیت فرع کی ہے۔

۳۔ قرآن کی تفسیر کی بنیاد حدیث کو بنانا صحیح نہیں۔

۴۔ شانِ نزول صرف قرآن سے اخذ کرنی چاہیے۔ حدیث سے شانِ نزول اخذ کرنا صحیح نہیں۔

۵۔ حدیث کے ذریعہ قرآن کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا [۱۰۱]

یہ اصولی مباحث اس موضوع کا جزء لاینفک ہیں۔ لیکن ان پر مفصّل اور مستقل بحث کی ضرورت ہے اس لیے کبھی ان پر آئندہ گفتگو کی جائے گی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہماری ذات سے جو اچھے کام صادر ہوتے ہیں ان کا اجر عطا فرمائے اور جو برائیاں اور غلطیاں سرزد ہوتی ہیں ان سے درگزر فرمائے۔ ھو الموفّق ومنہ القبول۔

حواشی اور تعلیقات

۱۰۲ اسالیب القرآن ص ۴۶ ۱۰۳ ایضاً ص ۳۶ ۱۰۴ دلائل النظام ص ۱۰۶ ۱۰۵ القائد الی عیون العقائد ص ۴۲

۱۰۶ تفسیر سورۂ اخلاص ص ۳۹ ۱۰۷ دلائل النظام ص ۳۷ ۱۰۸ تفسیر سورۂ عبس ص ۸ ۱۰۹ عیون العقائد ص ۱۲

۱۱۰ ایضاً ص ۱۱۳ ۱۱۱ ایضاً ص ۴۲ ۱۱۲ یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، احمد وغیرہ میں مذکور ہے۔ لیکن کہیں بھی 'علی' کے ساتھ نہیں ہے جیسا کہ حاشیہ نمبر ۲ میں اشارہ کیا جاچکا ہے۔

۱۱۳ عیون العقائد ص ۱۵۷

۱۱۴ "عضوا علیھا بالنواجذ" کے الفاظ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی اور احمد وغیرہ میں مروی

ہیں۔ کہیں بھی 'علیہ' (ضمیر مذکر غائب) کے ساتھ مروی نہیں ہے۔ پوری حدیث یہ ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: .... فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ"۔

۱۱۵ تفسیر سورۂ ذاریات مجموعۂ تفاسیر فراہی ص ۱۵۱، مفردات القرآن ص ۳۳

۱۱۶ پیچھے حاشیہ نمبر ۲۴ میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ کسی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ارشاد نبوی موجود نہیں ہے

۱۱۷ عیون العقائد ص ۱۰۲ ۱۱۸ حوالہ حاشیہ نمبر ۴۲ میں گزر چکا ہے۔

۱۱۹ تفسیر سورۂ فاتحہ ص ۲۵ ۱۲۰ تفسیر سورۂ اخلاص ص ۳۲ ۱۲۱ التکمیل ص ۶۷-۶۸

۱۲۲ ایضاً ص ۶۹ ۱۲۳ دیکھیے تفسیر طبری طبع مصر ۱۳۲۸ھ ۱۴/۴۳

۱۲۴ التکمیل ص ۶۹ ۱۲۵ تفسیر طبری ۱۴/۴۳-۴۴

۱۲۶ تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی انجمن خدام القرآن لاہور، پاکستان جلد سوم ص ۶۲۵

۱۲۷ صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ سورہ الحجر۔ ابن کثیر نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ دیکھیے تفسیر ابن کثیر مکتبۃ التجاریہ الکبری ۱۳۵۶ھ ۲/۵۵۸

۱۲۸ مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص ۲۰ ۱۲۹ عیون العقائد ص ۱۲۸-۱۲۹ ۱۳۰ تفسیر سورۂ فیل طبع دوم ص ۴۵

۱۳۱ ملاحظہ ہو مفردات القرآن ص ۳۳-۳۶ ۱۳۲ ایضاً ص ۳۴-۳۶

۱۳۳ مقالہ "علم حدیث" از مولانا اسلم جیراجپوری۔ البیان جنوری ۱۹۴۰ء دفتر امت مسلمہ امرتسر۔

۱۳۴ حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۲۸ مولانا جلال الدین عمری نے بھی مولانا فراہی کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے دیکھیے مضمون 'قرآن کا تصور حکمت' شائع شدہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ۔ جولائی۔ ستمبر ۸۳ء

۱۳۵ مقدمہ تفسیر القرآن ص ۱۹ ۱۳۶ ایضاً ص ۲۰ ۱۳۷ دلائل النظام ص ۳۸

۱۳۸ ابن ماجہ باب تعظیم حدیث رسول اللہؐ، احمد ۴/۱۳۱، ابو داؤد ۱۳۹ ابو داؤد

۱۴۰ عیون العقائد ص ۱۵۷-۱۵۸ ۱۴۱ دلائل النظام ص ۲۰-۲۱ ۱۴۲ مسلم، ترمذی

۱۴۳ سیرت ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ لابن کثیر دار المعرفۃ بیروت ۱۹۸۳ء۔ سوم ص ــــ اور سیرت کی دوسری کتابیں۔ ۱۴۴ مفردات القرآن ص ۲ ۱۴۵ ایضاً ص ۲

۱۴۶ بخاری، مسلم، ترمذی، احمد ۱۴۷ بخاری، نسائی

۱۴۸ لسان العرب دار صادر بیروت ۱۹۵۶ء ۸/۵۳-۵۴ مادہ جمع

۱۴۹ احیاء علوم الدین غزالی ۲/۲۷۴، ابن ماجہ نے ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے باب الجوامع من الدعاء۔

ابو داؤد میں اسے حضرت عائشہ کا قول بتلایا گیا ہے۔

۱۵۰ھ احادیث میں جوامع الکلم کی مثالوں کے لیے دیکھیے نقوش لاہور رسول نمبر جلد ہشتم میں درج ذیل مقالے: حضور کے جوامع الکلم از شرف الدین اصلاحی ص ۵۳۹-۵۴۸۔ ارشادات نبوی (جوامع الکلم) از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر ص ۵۴۹-۵۶۵۔ جوامع الکلم از جسٹس مفتی سید شجاعت اللہ علی قادری ص ۵۶۶-۵۷۶۔

۱۵۱ھ ذبیح کون ہے؟ مولانا فراہی ترجمہ امین احسن اصلاحی ص ۱۲۷ ۱۵۲ھ ایضاً ص ۱۴۳

۱۵۳ھ صحیح بخاری کتاب الانبیاء، باب قول اللہ واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً۔

۱۵۴ھ مولانا مودودی نے لکھا ہے: "بخاری میں اس واقعہ کو حضرت ابن عباس کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس روایت میں جس طرح ابن عباس نے جگہ جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات نقل کیے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہے ہیں وہ حضور سے سن کر بیان کر رہے ہیں" دیکھیے سیرتِ سرور عالم جلد دوم ص ۵۶

۱۵۵ھ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے راقم کا مقالہ "مناسکِ حج کی تاریخ" شائع شدہ ماہنامہ حیاتِ نو اعظم گڈھ مئی ۸۷ء۔

۱۵۶ھ الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ مجلہ علوم القرآن ص ۸۳ جلد اول، شمارہ اول، جولائی۔دسمبر ۸۵ء

۱۵۷ھ مجلہ علوم القرآن جلد اول شمارہ اول جولائی۔دسمبر ۸۵ء ص ۸۳ ۱۵۸ھ ایضاً ص ۱۰۷

۱۵۹ھ التکمیل فی اصول التاویل ص ۶۶ ۱۶۰ھ تفصیل کے لیے دیکھیے شرح نووی للمسلم میں قاضی عیاض کا قول

۱۶۱ھ الاتقان بحوالہ مجلہ علوم القرآن ص ۸۷ ۱۶۲ھ مجلہ علوم القرآن جلد اول شمارہ اول ص ۸۷

۱۶۳ھ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قول اللہ کلوا واشربوا...... الخ

۱۶۴ھ تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی انجمن خدام القرآن لاہور طبع سوم۔ جلد اول ص ۴۱۵

۱۶۵ھ یہ حدیث بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، احمد وغیرہ میں مروی ہے۔

۱۶۶ھ بخاری ومسلم

۱۶۷ھ ان اصولی مباحث کے لیے دیکھیے مقدمہ تفسیر نظام القرآن کا باب "تفسیر کے خبری ماخذ"

اسلام اور مشکلاتِ حیات
مولانا سید جلال الدین عمری
آفسیٹ کی حسین طباعت، خوبصورت سرورق، ضخامت ۸۸ صفحات۔ قیمت صرف -/۸
ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی پان والی کوٹھی، دودھ پور علیگڑھ